خانۂ کعبہ اور عربوں کا مذہب

ولیم میور کے خیالات کا جائزہ

ڈاکٹر محمد ذکی

مستشرقین نے سیرت اور تاریخ اسلام پر جو علمی سرمایہ مہیا کر دیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب کوئی اسلام سے متعلق کسی موضوع پر قلم اٹھاتا ہے تو اس کے لئے ان کی تصانیف سے استفادہ یا تعرض کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ انھوں نے تحقیق و تنقید کے کچھ خاص اصول وضع کئے ہیں اور اس ضمن میں واقعات کے ساتھ ساتھ واقعہ نگار کے پس منظر کو بھی ذہن میں رکھنے پر زور دیا ہے۔ ان کے نظریات نے مشرق کے علمی حلقوں کو بھی بہت متاثر کیا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اہل مغرب نے سیرت اور اسلام پر جو کچھ لکھا ہے اس کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ زیر نظر مقالہ اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے۔

ولیم میور (WILLIAM MUIR) کا شمار صفِ اوّل کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ موصوف نے سیرت پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، جس میں ایک طویل مقدمہ بھی شامل ہے۔ مقدمہ کے تیسرے باب میں مصنف نے بنائے کعبہ اور ضمناً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے متعلق روایات پر بحث کی ہے۔ ذیل میں ہم اسی کا جائزہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

تحقیق طلب امور چونکہ بحث طویل ہے اور بہت سے متنازع فیہ مسائل اس میں آ گئے ہیں اس لئے ان کی تنقیح ضروری

ہے تاکہ بنیادی مسائل حل ہو جائیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ کعبہ کی ابتدا کیسے ہوئی، اس کا بانی کون تھا اور اس سے متعلق عقائد و رسوم کی اصل کیا ہے؟

دوسرا متنازع فیہ مسئلہ یہ ہے کہ کعبہ اور مکہ کے مذاہب کا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق ہے؟ اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور تحقیق طلب ہیں۔

(۱) کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی مکہ آئے تھے اور حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں بسایا تھا؟ اگر آئے تھے تو ان سے منسوب باتوں کی اصل کیا ہے یعنی کیا انھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی، کیا حج وغیرہ کے مناسک مقرر کئے اور مقرر کئے تھے تو وہ کیا تھے؟ کیا انھوں نے حضرت اسمٰعیل کو قربان کرنا چاہا تھا وغیرہ وغیرہ؟

(۲) اگر حضرت ابراہیم مکہ نہیں آئے تھے تو مذکورہ بالا باتیں ان کی طرف کب اور کیوں منسوب کی گئیں۔

بنائے کعبہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے کعبہ کب اور کس نے تعمیر کیا؟ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات سے مدد ملتی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝	بیشک سب سے پہلا گھر جو (عبادت کے مقصد سے) لوگوں کے لئے تعمیر ہوا وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے۔ (آل عمران ۹۶)

اگر الفاظ کو عام رکھا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی عبادت کے لئے سب سے پہلے جو گھر تعمیر ہوا تھا وہ یہی ہے جو بیت اللہ یا کعبہ کے نام سے مشہور ہے اسے قرآن حکیم میں "بیت العتیق" [1]، یعنی قدیم گھر بھی کہا گیا ہے۔ (الحج، ۲۹) اس مفہوم کی تائید اس

---

[1] ایک حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ مذکور ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:

روئے زمین پر پہلی مسجد کون سی تعمیر ہوئی، ارشاد فرمایا، مسجد حرام[۲]

ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے وہ اس مفہوم کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

کعبۃ اللہ کے پہلے بانی ہی (آدمؑ) تھے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ عرش الٰہی کے محاذ میں زمین پر وہ بیت اللہ کی تعمیر کریں اور جس طرح انھوں نے ملائکۃ اللہ کو عرش الٰہی کا طواف کرتے دیکھا ہے اسی طرح خود اس کا طواف کریں[۳]

بہر حال محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے کعبہ کی تعمیر ہو چکی تھی۔ امتداد زمانہ کے سبب اس کی عمارت گرتی رہی اور بنتی رہی۔ حضرت ابراہیم کے زمانے میں اس کی صرف بنیادیں باقی رہ گئی تھیں انہی پر انھوں نے دیواریں اٹھائیں

کیا حضرت ابراہیم مکہ آئے تھے؟

جہاں تک حضرت ابراہیم کی مکہ میں آمد کا تعلق ہے تو عربوں میں ظہور اسلام سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے سے یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ حضرت ابراہیم مکہ آئے تھے، اپنی زوجہ حضرت ہاجرہؓ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں بسا کر چلے گئے تھے اور بعد میں آ کر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی جب اسلام ظاہر ہوا تو قرآن و حدیث نے اس کی تصدیق کی[۴]

روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: "بیت اللہ شریف کا نام عتیق اس لئے ہوا کہ اس پر کسی زبردست کا قبضہ نہ چلا"۔ اسی مفہوم کو ترجیح دی جائے گی لیکن اس کا ایک وصف قدیم ہونا ہے اس لئے یہ معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ دیکھئے لغات القرآن "عتیق"۔

[۲] عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، ج ۱۲ ص ۳، از حافظ ابو بکر بن العربی (لغات القرآن ایضاً)

[۳] البدایۃ والنہایۃ، ج ۱ ص ۱۹۲ مولانا بدر عالم، ترجمان السنۃ، ج ۳ ص ۴۶۲

[۴] مثلاً سورہ البقرہ، ۱۲۵-۱۲۹، آل عمران، ۹۶-۹۷، ابراہیم، ۳۵-۳۷، الحج ۲۶-۲۸۔ نیز بخاری کی ایک مشہور حدیث میں بھی اس کے اہم اجزاء نقل کئے گئے ہیں۔

البتہ عربوں نے حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کے دین توحید میں شرک کی آمیزش کردی تھی اور اور مناسک حج وغیرہ میں باطل رسوم داخل کرلی تھیں۔ قرآن وحدیث نے اس واقعہ کے صحیح خدوخال نمایاں کئے اور اسے باطل رسوم اور مشرکانہ عقائد سے پاک کیا۔

میور کی رائے

میور اور دوسرے مستشرقین اس بات کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حضرت ابراہیم کبھی مکہ آئے تھے۔ اس لئے حضرت اسمٰعیل وہاں آباد بھی نہیں ہوئے۔

ہزاروں سال کی متواتر روایت کے مقابلے میں جب کہ قرآن وحدیث سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے یہ دعویٰ کرنا کہ اس واقعہ کی کوئی اصل نہیں بہت اہم بات ہے اور اس کے ثبوت کے لئے نہایت مستند تاریخی شہادت اور معقول دلائل کی ضرورت ہے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں میور نے ایک بھی شہادت یا دلیل نہیں دی ہے۔ بہرحال اس مسئلہ پر جو موصوف نے لکھا ہے اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ابراہیمؑ کی آمد کے سلسلے میں جو روایت مشہور ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میور نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

(۱) ضرورت اس بات کی ہے کہ کعبہ کی اصل اور مقامی مذہب کے بارے میں مزید تحقیق وتفتیش کی جائے۔

(۲) مسلمانوں کا عقیدہ ان دونوں کی ابتداء کو ابراہیمؑ سے منسوب کرتا ہے اور بعض رسوم کا رشتہ بائبل کے قصہ سے جوڑ دیتا ہے۔

(۳) یہ سب ایک افسانہ ہے (FABLE LEGEND) اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں کہ مکہ اور اس کے مذہب کی ابتداء اس طرح ہوئی جو (جیسا کہ مسلمان کہتے ہیں) یہ ایک یقینی (طے شدہ) بات ہے۔ اس یقین کو مندرجہ ذیل امور سے تقویت پہنچتی ہے:

(۱) اس توہم پرستی میں کوئی بات بھی ایسی نہیں معلوم ہوتی جسے ابراہیمی کہا جا سکے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا، کعبہ کا طواف، مکہ، عرفات اور منیٰ میں انجام دی جانے والی مختلف رسوم، بعض مہینوں کو حرام سمجھنا اور حرم کا احترام کرنا۔ ان تمام باتوں کا ابراہیم سے کوئی تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔

(ب) ان امور کا ان تصورات سے بھی کوئی تعلق سمجھ میں نہیں آتا جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے ابراہیمؑ کی نسل کو ورثہ میں ملے ہوں گے اور

(ج) جن اسباب نے ان رسوم کو جنم دیا ان کا اس علاقہ سے کوئی تعلق ہی نہیں جس میں اولاد ابراہیمؑ آباد تھی۔

میور کے بیان کردہ بعض نکات تشریح طلب ہیں۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ حق ہر مورخ کو حاصل ہے کہ وہ مدلیات کی چھان بین اور مزید تحقیق کرے لیکن مسلمانوں سے منسوب کرکے جو دو باتیں میور نے کہی ہیں ان کی وضاحت ضروری ہے۔

معلوم نہیں میور کو یہ غلط فہمی کس بنا پر ہوئی کہ مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کعبہ کے بانی ہیں۔ اس مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کی تصریحات ہم ابھی اوپر نقل کر چکے ہیں جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں تک بنائے کعبہ کا تعلق ہے اسے ابراہیم علیہ السلام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا نہ کیا گیا ہے۔ اگر میور کی غلط فہمی یہیں تک محدود ہوتی تو بہت زیادہ اہم نہ ہوتی لیکن موصوف نے اسی مفروضہ پر بحث کی عمارت کھڑی کر ڈالی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اصل موضوع تو الجھ گیا اور بحث نے غلط رخ اختیار کر لیا جیسا کہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ کہی ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مقامی مذہب یعنی مکہ کے مذہب کے بانی بھی حضرت ابراہیمؑ ہیں لیکن موصوف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ مقامی مذہب سے کون سا مذہب مراد ہے کیونکہ اس کی دو شکلیں ہو سکتی

تھیں۔ ایک تو مذہب توحید جس کی تعلیم بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل نے دی تھی اور مناسک حج وغیرہ مقرر کئے تھے۔ دوسری شکل وہ تھی جو ظہور اسلام کے وقت تھی یعنی شرک، بت پرستی، توہم پرستی اور جسے عرب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے (جسے مسلمانوں نے کبھی صحیح نہیں سمجھا) اگر میور کا اشارہ پہلی صورت کی طرف ہے تو قابل اعتراض نہیں لیکن اگر اس سے مراد دوسری صورت ہے تو یہ مسلمانوں اور حضرت ابراہیمؑ پر صریح بہتان ہے۔ اب نہیں کہا جاسکتا میور نے کون سے انتساب کو افسانہ کہا ہے۔

اس کے بعد کی عبارت واضح ہے یعنی جب ابراہیم علیہ السلام مکہ آئے ہی نہیں تو پھر بیت اللہ کی تعمیر کا ان سے کیا تعلق اور جب انھوں نے خانہ کعبہ بنایا ہی نہیں تو پھر اس کا طواف بھی نہیں کیا اس لئے حج وغیرہ کا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ نیز ان کی اولاد نے بھی کبھی عمرہ یا طواف نہیں کیا۔ ان میں قربانی کی یادگار بھی نہیں، یہ لوگ (بنی اسرائیل) شام و فلسطین کے علاقہ میں آباد تھے وہاں نہ مکہ جیسی وادی ہے نہ کعبہ۔ حاصل کلام یہ کہ کعبہ اور اس سے متعلق جو رسوم مشہور و معروف چلی آرہی ہیں ان کا حضرت ابراہیمؑ سے کوئی تعلق نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی آمد کا انکار کرنے کے بعد یہ نتائج میور نے اخذ کئے ہیں اور یہی ہونے بھی چاہئیں۔

خانہ کعبہ کی اصل کے بارے میں میور کے "انکشافات"

حضرت ابراہیمؑ سے خانۂ کعبہ کا رشتہ منقطع کرنے کے بعد میور نے یہ ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی ہے کہ اب اس کا سرا کس سے جوڑا جائے۔

چونکہ میور کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مسلمان حضرت ابراہیمؑ کو کعبہ کا بانی بتاتے ہیں اور اسے غلط ثابت کرنا ہے اس کے لئے میور نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ خلاصۂ استدلال:

(۱) مکہ کے اس مذہب کی جڑیں بہت قدیم زمانے میں پیوست ہونی چاہئیں اگرچہ ہیروڈوٹس اس کا ذکر نہیں کرتا لیکن عربوں کے مشہور دیوتا "اللات" کا تذکرہ کرتا ہے یہ اس بات کی قوی شہادت ہے کہ اتنے قدیم زمانہ میں "لات" کی پوجا ہوتی تھی جو مکہ کا ایک بڑا بت تھا۔ وہ یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ عرب پتھروں کا احترام کرتے ہیں۔

(۲) ڈایوڈورس سکولس نے ۵۰ ق م میں لکھا ہے کہ سرزمین عرب میں ایک معبد ہے جس کا عرب بہت احترام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس سے خانہ کعبہ مراد ہے۔

(۳) کوئی بھی تاریخی روایات نہیں بتاتیں کہ کعبہ سب سے پہلے کب تعمیر ہوا۔

(۴) بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ عمالقہ نے اس کو دوبارہ بنایا تھا۔

(۵) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جرہم (قبیلہ کا نام ہے) نے سنہ عیسوی کے لگ بھگ اس کی دوبارہ تعمیر کی تھی۔

(۶) روایت بتاتی ہے کہ نامعلوم زمانہ سے دور دراز سے عرب قبائل ہر سال مکہ آیا کرتے تھے۔

(۷) جو عقیدت آتنی عام ہو اس کی ابتدا بہت ہی زمانہ قدیم زمانہ میں ہو سکتی ہے اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ کا مذہب بہت ہی زیادہ قدیم ہوگا جب تو ہم پرستی کی جڑیں بہت دور ماضی میں پیوست ہوں اس کی ابتداء بھی اسی سرزمین میں ہو سکتی ہے نہ کہ کسی غیر ملک میں۔

کعبہ کی قدامت ثابت کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس دعوے کی تردید کی جائے کہ ابراہیمؑ ہی اس کے بانی تھے اور ان سے پہلے کعبہ موجود نہیں تھا (اگرچہ یہ خیال ہی غلط ہے پھر بھی مان لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام ہی اس کے بانی اول ہیں) اس کے لئے اگر ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یعنی ۲۰۰۰ ق م کی کوئی مستند تاریخی شہادت ایسی مل جاتی ہے جو یہ ثابت کر دے کہ اس سے پہلے کعبہ موجود تھا تو گویا مسلمانوں کے قول

کی تردید ہوجائے گی۔ اب دیکھئے میور نے کتنی قدیم شہادت پیش کی ہے۔

بہت تلاش اور تاریخ کی ورق گردانی کرنے کے بعد ہیروڈوٹس پر نظر پڑی۔ میور کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس یونانی مورخ کا زمانہ ۴۵۰ ق م (پانچ سو سال قبل مسیح) ہے لیکن جان بوجھ کر اس کا زمانہ نہیں لکھا تاکہ پڑھنے والا یہ سمجھے گویا یہ حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے کا مورخ ہے۔

پھر یہ بھی کعبہ کا حوالہ نہیں دیتا، "اللات" کا ذکر کرتا ہے جو طائف کا بت تھا نہ کہ مکہ کا۔ جب کچھ بس نہ چل سکا تو میور نے طائف کے دیوتا کو مکہ کا دیوتا بتا دیا تاکہ اس سے یہ گمان ہو جائے کہ جب مکہ کے اس بت کا ذکر کیا ہے تو یقیناً کعبہ بھی وہاں موجود ہوگا۔

سب سے زیادہ قدیم تاریخی شہادت جو کعبہ کے بارے میں دستیاب ہوسکی وہ حضرت مسیحؑ سے صرف پچاس سال پہلے کی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے تقریباً ایک ہزار نو سو پچاس سال بعد کی۔ اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے موجود تھا۔ میور کی منطق آپ کی سمجھ میں آئی؟!

جب تاریخ ساتھ نہ دے سکی تو پھر میور نے مجبور ہوکر عربوں کی روایات کا سہارا لیا اور عمالقہ سے کعبہ کی تعمیر کو منسوب کرکے پھر یہی تاثر دینے کی کوشش کی گویا عمالقہ تو ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھے جب انھوں نے منہدم عمارت کو پھر سے بنایا تو وہ ان سے بھی پہلے موجود ہوگا۔ اور یہ بھی غالباً میور کے علم میں ہوگا کہ عمالقہ کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے بہت بعد کا ہے[1]۔ یہاں بھی اس کی وضاحت بالقصد نہیں کی۔

اور آخر میں اپنا مرغوب "حربہ" استعمال کیا یعنی "ابہام"۔ "بہت قدیم" "انتہائی قدیم" کی تکرار کرکے نتیجہ نکال لیا کہ اس مذہب کی جڑیں سرزمین عرب میں پیوست ہیں یعنی کسی عرب نے ہی کعبہ بنایا ہوگا، غیر ملکی نہیں بنا سکتا۔

---

[1] دیکھئے لغات القرآن (ندوۃ المصنفین) "دا لکوبہ"

اگر اس الجھی ہوئی بحث کا کوئی مفہوم سمجھ بھی لیا جائے تو کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا یا اس طرف اشارہ بھی ملا کہ ابراہیم علیہ السلام مکہ کبھی نہیں آئے اور وہ کعبہ جو ان سے پہلے موجود تھا اس کو از سر نو تعمیر نہیں کیا؟

تیسری اور اہم بات جسے میور نے گویا بطور دلیل پیش کیا ہے وہ یہ کہ عرب میں تین مقامی مذاہب کا رواج تھا۔ صابئی (کواکب پرستی) بت پرستی، اور حجر (پتھر) پرستی۔ ان تینوں کا مکہ کے مذاہب سے قریبی تعلق ہے۔ ان تینوں کے امتزاج نے کعبہ، طواف، قربانی وغیرہ کی شکل اختیار کر لی۔[1]

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ پُر فریب جملے، مغالطہ آمیز باتیں، الفاظ کی بازی گری، قیاس آرائیاں اور اٹکل کے تیروں سے دوسرے تو کیا ایسا کرنے والا بھی مطمئن نہیں ہو پاتا۔ ضمیر ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا گلا آسانی سے نہیں گھونٹا جا سکتا اور اس کے لئے مسلسل اور سخت جد و جہد کرنا پڑتی ہے۔

بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا لینے کے بعد میور کے دل میں جو بات کھٹکی اس کا اظہار موصوف نے اس طرح کیا ہے:

اس نظریہ کے مطابق ہم عربوں کی اس روایت کی توجیہ کس طرح کریں جس میں کعبہ کا بانی حضرت ابراہیمؑ کو بتایا گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کا گھڑا ہوا قصہ تو ہے نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے سے یہ روایت مشہور تھی ورنہ قرآن میں اسے امر مسلمہ کی حیثیت سے کس طرح بیان کیا جاتا، نیز کعبہ کے نزدیک بعض مقامات

---

[1] یہاں میور نے ابن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بنی اسماعیل میں حجر پرستی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ کچھ لوگ حرم کعبہ سے کوئی پتھر لے گئے اور اس کو نصب کر کے اس کا طواف کرنے لگے۔ لیکن میور کی رائے یہ ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہوا۔ پتھر پرستوں نے پتھر جمع کر کے کعبہ بنا لیا نہ کہ کعبہ کے عقیدت مندوں نے کعبہ کے احترام میں پتھر لے جانا شروع کئے اور انھیں پوجنے لگے۔ "مستند ہے میور کا فرمایا ہوا"

حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے کس طرح منسوب کر دیئے جاتے۔ اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ شروع میں ابراہیمی قبائل یمن کے قبائل میں گھل مل گئے اور ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کی نسل سے کوئی شاخ مکہ میں آباد ہوگئی اور جنوبی عرب کے یمنی قبائل میں خلط ملط ہوگئی۔ ان ابراہیمی قبائل میں اپنی قدیم روایات زندہ تھیں۔ قریب ہی (مدینہ، خیبر وغیرہ) میں یہود آباد ہو گئے۔ ان سے روابط قائم رہے روایات پارینہ تازہ ہوتی رہیں۔ مکہ کے یہ قبائل ایک طرف یمنی قبائل سے منسلک تھے دوسری طرف ابراہیمی شاخ سے بھی ان کا تعلق تھا۔ اس دہری اصل کو انھوں نے اس طرح محفوظ کیا کہ دونوں کی روایات کو ضم کر لیا یہودیوں سے ان کی روایات لیں اور معمولی سے رد و بدل کے بعد فلسطین کے قصہ کو مکہ پر چسپاں کر دیا۔ کعبہ کو ابراہیمؑ سے منسوب کر دیا اور فلسطین میں حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیل عم کے قصہ کو اٹھا کر مکہ کی وادی پر منطبق کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کی بت پرستی اور یہودیوں سے لی گئی توحید کے درمیان خلیج پر ہوگئی۔ اور یہی وہ سنگم ہے جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی عمارت کھڑی کی۔

بحث ختم، دعویٰ ثابت، مقصد واضح، اسلام کا پس منظر معلوم، آیندہ ابواب کی تمہید۔ سب کام ہو گئے —— اسلام یہودیوں کی دین۔ اب اور کیا چاہئے آپ کو؟!

ہاں اگر آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرا ہو کہ آخر یہ ابراہیمی اور اسمٰعیلی قبائل مکہ میں کب آباد ہوئے تاکہ آپ یہ جان سکیں کہ کعبہ کی تعمیر اور ابراہیم علیہ السلام سے انتساب کتنا پرانا قصہ ہے۔

اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر یہودی قبائل مدینہ کب آئے اور پھر یہ قصے مشہور ہوئے۔

اگر آپ اس کی وجہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہودی یہ ساری روایتیں اہل مکہ کو دیتے رہے اور خاموشی سے یہ کیوں دیکھتے رہے کہ ان کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام

کو کعبہ کے معاملے میں "ملوث" کیا جا رہا ہے؟

اگر آپ ان تمام باتوں کا تاریخی ثبوت چاہتے ہیں تو پھر میور کے مبہم جملوں میں تلاش کرتے رہئے۔ لیکن ان کا جواب میور کی بحث میں نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ ان باتوں کا جواب نہ میور کے پاس تھا، نہ اس سے پہلے کے مستشرقین کے پاس اور نہ موجودہ دور کے مستشرقین کے پاس۔

صحیح یا غلط واقعات کا پس منظر تو میور نے بیان کر ہی دیا۔ لیکن واقعہ نگار یا پس منظر بتانے والے کا پس منظر ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ آئیے اب اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابراہیم کی مکہ میں آمد کا انکار کیوں کیا جاتا ہے

آخر مستشرقین، چاہے یہودی ہوں یا عیسائی، اس روایت کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کیوں کرتے ہیں؟ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ عرب روایت کی تائید تورات سے نہیں ہوتی بلکہ بعض اعتبار سے تردید ہوتی ہے اور تورات ہی حضرت ابراہیمؑ کے لئے قدیم ترین ماخذ ہے اور یہود و نصاریٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مستند دستاویز۔

عرب روایت تورات کی نظر میں

تورات کے بیان کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر چھیاسی سال تھی اس وقت ان کے حضرت ہاجرہؓ سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام انھوں نے اسمٰعیل رکھا۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال ہوئی تو حضرت سارہ سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اسحٰق رکھا گیا۔ اس وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ آگے کا قصہ تورات کی زبانی سنئے۔

> "اور وہ لڑکا (یعنی اسحٰقؑ) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اضحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابرہام نے بڑی ضیافت کی، اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابرہام سے ہوا تھا

ٹھٹھا مارتا ہے، تب اس نے ابرہام سے کہا کہ اس لونڈی کو اور اس کے
بیٹے کو نکال دے کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ
وارث نہ ہوگا؛ پر ابرہام کو اس کے بیٹے کے باعث یہ بات نہایت بری معلوم
ہوئی۔ اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے
باعث بُرا نہ لگے، جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیوں کہ
اضحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا، اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی
میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔ تب ابرہام
نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو
دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالہ کر کے
اسے رخصت کر دیا، سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے
لگی۔ اور جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے
ڈال دیا اور آپ اس کے مقابل ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی اور کہنے لگی
کہ میں اس لڑکے کا مرنا تو نہ دیکھوں، سو وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور چلا چلا
کر رونے لگی، اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان
سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا؟ مت ڈر کیوں کہ
خدا نے اس جگہ سے جہاں لڑکا پڑا ہے اس کی آواز سن لی ہے۔ اٹھ اور
لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کیوں کہ میں اس کو بڑی قوم
بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک
کنواں دیکھا اور جا کر مشک کو پانی سے بھر لیا اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا
اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیرانداز
بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر
سے اس کے لئے بیوی لی۔ (پیدائش، باب ۲۱: ۸-۲۱)

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہودی اور عیسائی مورخین کیوں عربوں کی قدیم روایات کا انکار کرتے ہیں یعنی اس لئے کہ تورات میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ گئے یا حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو مکہ میں بسایا۔ آپ نے مذکورہ بالا اقتباس میں دیکھ ہی لیا کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ کے ساتھ نہیں گئے بلکہ گھر سے ہی رخصت کر دیا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیرسبع کے بیابان میں بھٹکتی پھریں اور فاران کے بیابان میں رہنے لگیں اور یہ دونوں مقامات مفسرین تورات فلسطین کے جنوبی حصہ میں بتلاتے ہیں۔ دور دور تک کہیں بھی مکہ معظمہ، صفا و مروہ، زمزم، کعبہ، منیٰ اور عرفات کا ذکر نہیں اور مستشرقین کے نزدیک تورات قدیم اور مستند کتاب ہے۔ اس لئے اس کے مقابلہ میں عرب روایات تسلیم کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ تورات میں اور دوسری کتابوں میں اہل کتاب نے تحریف کی ہے، اضافہ اور کمی کی ہے، ردوبدل کیا ہے تو یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ کوئی بھی اپنی کتاب میں جسے وہ الہامی سمجھتا ہو، جب تک کوئی قوی داعیہ نہ پایا جائے آسانی سے تحریف کی جراٴت نہیں کرتا۔

آئیے ذرا تورات کے بیانات کا تفصیلی جائزہ لیں ممکن ہے کچھ مزید انکشافات ہوں اور بعض دوسری باتیں بھی سمجھ میں آ جائیں۔

تورات کی رائے حضرت ہاجرہ کے بارے میں

ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تورات کے اس اردو ترجمہ میں حضرت ہاجرہؓ کو چار بار "لونڈی" کہا گیا ہے۔ انگریزی تراجم میں BOND-WOMAN - کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو "لونڈی" کا ہم معنیٰ ہے۔ دوسرے انھیں مصری کہا گیا ہے۔ اور اسی کتاب کے باب ۱۶ میں انھیں حضرت سارہ کی لونڈی بتایا گیا ہے[1]

---

[1] لیکن انگریزی ترجمہ میں HANDMAID کیا گیا ہے جو BONDWOMAN سے ذرا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی زوجہ حضرت سارہؓ کی
کی زرخرید لونڈی اور ان کی ملکیت تھیں اور یہ کہ انھیں مصر سے خریدا گیا ہوگا یا ان کا تعلق
مصر سے تھا۔

حضرت ہاجرہؓ کے بارے میں تورات میں اور زیادہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کس طرح حضرت
سارہ کی ملکیت میں آئیں اور ان کا تعلق مصر کے کس قبیلہ یا خاندان سے تھا لیکن یہودیوں
کی دوسری روایات (تلمود) میں اتنا اور اضافہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور سارہؓ مصر
گئے تھے تو وہاں کے بادشاہ، فرعون مصر، نے حضرت سارہؓ کی بزرگی سے متاثر ہوکر
جہاں اور بہت سے تحائف دیئے تھے اپنی بیٹی حضرت ہاجرہؓ کو ان کی خدمت میں یہ کہکر

"میری بیٹی کا ایک ایسے گھر میں جس پر خدا کا خاص فضل وکرم
ہو خادمہ بن کر (SERVANT) رہنا کہیں اور ملکہ بن کر رہنے سے
بہتر ہے۔

حضرت سارہ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا[۱]

انہی کو تورات میں جا بجا کبھی سارہ کبھی ابراہیم علیہ السلام کی لونڈی کہا گیا ہے
اسی کتاب پیدائش کے ۱۶ویں باب میں ایک اور واقعہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت

ہلکا ہے کیونکہ اول الذکر کا ترجمہ خادمہ، کنیز اور لونڈی کیا جا سکتا ہے اور HANDMAID کا مطلب یہ
بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خادمہ تھیں، ضروری نہیں کہ زرخرید لونڈی ہوں لیکن اردو ترجمہ میں دونوں جگہ لونڈی
کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

[۱] ملاحظہ ہو: MYTH AND LEGEND OF ANCIENT ISRAEL: VOL. I P.257
قاضی سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ اللعالمین" جلد ۲، صہ۴۳ پر اسی سلسلہ میں لکھا ہے:
یہودیوں کی زبردست مفسر تورات ربی شلوملو اسحٰق نے باب ۲ الکتاب پیدائش تفسیر
میں حضرت ہاجرہؓ کی بابت مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے ہیں (ترجمہ عربی) وہ فرعون کی بیٹی تھی جب
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاجرہؓ اور اسمٰعیل علیہ السلام بلکہ بنی اسمٰعیل کے کردار کا آئینہ دار ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابرام سے کہا دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے ساری کی بات مانی۔ اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے۔

(اقتباس طویل ہے لیکن ہم اس لئے نقل کر رہے ہیں تاکہ ہر واقعہ کا سیاق و سباق محفوظ رہے۔ باقی حصہ ملاحظہ فرمالیجئے)

اور وہ ہاجرہؓ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہو گئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔ تب ساری نے ابرام سے کہا کہ جو مجھ پر ظلم ہوا وہ تیری گردن پر ہے۔ میں نے اپنی لونڈی تیرے آغوش میں دی اور اب جو اس نے آپ کو حاملہ دیکھا تو میں اس کی نظروں میں حقیر ہو گئی۔ سو خداوند میرے اور تیرے درمیان انصاف کرے، ابرام نے ساری سے کہا تیری لونڈی میرے ہاتھ میں ہے جو تجھے بھلا دکھائی دے سو اس کے ساتھ کر۔ تب ساری اس پر سختی کرنے لگی اور وہ اس کے پاس سے بھاگ گئی۔ اور وہ خداوند کے فرشتہ کو بیابان میں

اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس کے گھر میں خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔

کرامات سے متعلق تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تورات کتاب پیدائش ب ۱۲، نیز ترجمان السنہ ج ۲ صـ ۲۵۹

پانی کے ایک چشمہ کے پاس ملی۔ یہ وہی چشمہ ہے جو شور کی راہ پر ہے۔ اور اس نے کہا اے ساری کی لونڈی ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے۔ اس نے کہا میں اپنی بی بی ساری کے پاس سے بھاگ آئی ہوں۔ خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے پاس لوٹ جا اور اپنے کو اس کے قبضہ میں کر دے۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔ اور ہاجرہ نے خداوند کا جس نے اس سے باتیں کیں اَتا ایل روئی نام رکھا یعنی اے خدا تو بصیر ہے کیوں کہ اس نے کہا کیا میں نے یہاں بھی اپنے دیکھنے والے کو جاتے ہوئے دیکھا؟ اسی سبب سے اس کوئیں کا نام بیر لحی روئی پڑ گیا۔ وہ قادس اور برد کے درمیان ہے اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسمٰعیل رکھا۔ اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔[1]

---

[1] ان دونوں روایات کے سلسلے میں مفسرین توراۃ نے مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(ا) ایک قدیم نسخہ میں صرف پہلی روایت ہے یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت سے پہلے حضرت ہاجرہ چلی گئی تھیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔

(ب) بعض نسخوں میں دوسری روایت موجود نہیں ہے جس میں حضرت ہاجرہ کا نکالا جانا مذکور ہے۔

(ج) بعض لوگ دونوں واقعات کو ایک روایت کے دو روپ مانتے ہیں اس سے متعلق مزید بحث کے لئے ملاحظہ ہو

INTERNATION CRITICAL COMMENTRY CH. 16 AND 21

یہ تفصیلات آپ کے سامنے ہیں اب آپ ان بیانات کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔

مصر کی شہزادی "لونڈی" کس طرح بن گئی

اس سلسلہ میں پہلا سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ مصر جیسے عظیم ملک کے فرماں روا (فرعون) کی بیٹی حضرت سارہ کی "لونڈی" کس طرح بن گئی۔ کیا فرعون مصر نے اپنی بیٹی کو حضرت سارہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا؟ کیا ایک باپ اپنی بیٹی کو کسی کی غلامی میں دیا کرتا یا دے سکتا ہے؟ کیا حضرت سارہ نے خریدا تھا؟ اگر کوئی صورت بھی نہیں تو حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ پر مالکانہ حقوق کس طرح حاصل ہو گئے؟

ہاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز تحفہ میں دی جائے تو معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ لیکن یہاں صورت بالکل مختلف ہے۔ اگر فرعون مصر نے اپنی لونڈی تحفہ میں دی ہوتی تو بلاشبہ اس کی حیثیت لونڈی ہی کی رہتی۔ لیکن جب حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں شہزادی تھیں تو خدمت میں دینے سے ان کی حیثیت لونڈی کی کس قاعدہ اور قانون کے تحت ہو گئی؟

ہر شخص جس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں وہ جاننا چاہے گا کہ اگر مصر کے فرماں روا نے حضرت سارہ کے تقدس اور حضرت ابراہیمؑ کی شانِ جلالت سے متاثر ہو کر عقیدت مندی میں اس بات کو قابل فخر سمجھا کہ اس کی بیٹی ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کی بیوی کی خدمت کرے تو اس میں غلامی کا تصور کہاں سے آگیا؟ کیا اس نے لونڈی بنا کر دیا تھا یا شہزادی کو خدمت کرنے کے لئے بھیجا تھا؟

کیا آپ کی سمجھ میں یہ منطق بھی آتی ہے کہ ایک شہزادی ایک نبی کی زوجہ کی خدمت کر رہی ہے۔ نبی کی زوجہ کو مالکانہ حق حاصل ہو گیا۔ اپنے شوہر کو اپنی "لونڈی" پیش کرتی ہے لونڈی رہنے کے لئے نہیں، داشتہ بننے کے لئے نہیں، بیوی[1] بننے کے لئے۔ اور بیوی بن جانے

---

[1] دیکھئے اوپر "بیوی" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ انگریزی ترجمہ میں WIFE ہے بطور CONCUBINE یا داشتہ نہیں۔

کے بعد بھی "آزادی" میسر نہیں آئی نہ حضرت ابراہیمؑ کا ان پر کوئی حق قائم ہو سکا بلکہ پھر بھی ملکیت حضرت سارہ کی قائم رہی اور انھیں پورا اختیار مل گیا کہ وہ جو چاہیں اس کے ساتھ کریں؟

ہم چاہیں گے کہ آپ ابھی کوئی فیصلہ نہ کریں، آگے بڑھیں لیکن اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ "توراۃ" لکھنے والوں نے مصر کی شہزادی کو لونڈی بنا کر پیش کیا ہے۔

حضرت ہاجرہ کے "نکلنے" اور "نکالے جانے" کے اسباب | موجودہ مطبوعہ توراۃ کے بیان کے مطابق

پہلی بار تو ہاجرہؓ خود ہی "بھاگ گئی" تھیں۔ اسباب کی کڑیاں اس طرح ملتی ہیں:

(۱) حضرت سارہ نے خود ہی یہ تجویز رکھی کہ حضرت ابراہیمؑ جناب ہاجرہؓ کو اپنے زوجیت میں لے لیں۔

(۲) جب حضرت ہاجرہ حاملہ ہوگئیں[۱] تو حضرت سارہ کو حقیر سمجھنے لگیں۔

(۳) اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ کو حضرت سارہ کی ملکیت میں دے دیا اس اختیار کے ساتھ "جو تجھے بھلا دکھائی دے سو اس کے ساتھ کر"۔ اور حضرت سارہؓ کو بھلائی اس میں نظر آئی کہ انھوں نے (مصر کی شہزادی جو حاملہ تھی) اس کے ساتھ انتہائی سختی[۲] کا برتاؤ کیا اور اسی بنا پر وہ گھر سے "فرار" ہوگئیں۔

---

[۱] حالانکہ یہ بات کہ حاملہ ہو جانے کے بعد ان کا نظریہ حضرت سارہؓ کی طرف بدل گیا ۱۱:۱۶ سے مشتبہ ہو جاتا ہے کیونکہ "فرار" کے بعد فرشتہ نے بیابان میں انھیں بتایا کہ "تو حاملہ" ہے۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے انھیں اس سے پہلے اس کا علم نہیں تھا۔

بعض مفسرین توراۃ نے اسی بنا پر پہلی بات کو تو نہیں البتہ فرشتہ کے قول ۹:۱۰ کو "الحاق" بتایا ہے یعنی بعد میں کسی نے جوڑ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

THE INTERNATIONAL CRITICAL COMMENTARY – Vol I,
J. SKINNER, P. 287

[۲] مذکورہ بالا تفسیر میں یہی معنی دیئے ہیں:

"THE WORD SUGGESTS EXCESSIVE SEVERERITY" P. 286

اس بار تو فرشتہ نے واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ آگے صراحت نہیں کہ وہ واپس آئیں یا نہیں لیکن بعد کے فقروں سے مطلب یہی سمجھا جا سکتا ہے وہ واپس آگئیں۔ اور بچہ کی ولادت کے بہت سال بعد نکالے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی بھی تفصیل ملاحظہ ہو:

(۱) اسی دوران حضرت سارہؓ کے بھی ایک بچہ (اسحاق) پیدا ہو چکا ہے۔ حضرت اسحاقؑ اس وقت قریب قریب تین سال کے ہیں۔ دودھ چھڑانے کی رسم ادا ہو رہی ہے اور ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اس وقت سترہ (۱۷) سال کے لگ بھگ ہے۔

(۳) ان سے اس موقعہ پر یہ "غلطی" سرزد ہو جاتی ہے کہ وہ "ٹھٹھا"[۱] مار دیتے ہیں لیکن کس بات پر؟ یہ تورات کے متن میں نہیں

(۴) حضرت سارہؓ نے اسمٰعیل علیہ السلام کو "ٹھٹھے" مارتے ہوئے دیکھ لیا اور حضرت ابراہیمؑ پر زور ڈالا کہ "اس لونڈی کو اور اس کے بیٹے کو نکال دے" کیوں کہ یہ اسحاق علیہ السلام کے ساتھ وارث نہ ہو جائے (یعنی ٹھٹھے کی بنا پر نہیں)

---

[۱] اس فقرہ کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

(PLAYING WITH ISAC HER SON)

یعنی یہ ایسا منظر ہے کہ دو چھوٹے بچے آپس میں مل کر کھیل رہے ہیں جو سماجی (اونچ نیچ کے) تصور سے ناآشنا ہیں۔ اس سے سارہ کا جذبۂ حسد بھڑک اٹھتا ہے اور ظالمانہ مطالبہ رکھ دیتی ہیں۔"

بعض مفسرین نے اسی لفظ سے "اقدام قتل" کا مفہوم بھی نکالا ہے۔ دیکھئے

INTERNATION CRITICAL COMMENTARY

صـ۲۲۲ وحاشیہ زیریں

اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اصل وجہ حضرت اسمٰعیلؑ کا ٹھٹھا مارنا نہیں، وہ اگر نہ بھی مارتے تو ایسا ہی ہوتا کیوں کہ اصل وجہ تو وراثت معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حضرت اسمٰعیل پہلوٹھے تھے اور انھیں فضیلت حاصل تھی اس لئے حضرت سارہؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس لڑکے کو راستہ سے ہٹا دیا جائے تاکہ تنہا حضرت اسحٰق ہی ابراہیم علیہ السلام کے وارث بن جائیں۔ معلوم نہیں یہ "ٹھٹھے" والا معاملہ یہاں کیوں "داخل" کر دیا گیا۔

بہرحال دوسری بار وراثت کے مسئلہ پر حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں کو گھر سے نکال دیا گیا۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھئے۔

نوجوان اسمٰعیل جو سترہ سال کے ہیں دو ڈھائی سال کے بچے کی طرح نظر آتے ہیں

یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ اس "حادثہ" کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر تقریباً سترہ سال ہے۔ ان کو اور ان کی والدہ کو گھر سے نکالا جا رہا ہے، لیکن کس طرح ملاحظہ فرمائیے، اور ذرا غور سے:

(۱) حضرت ابراہیمؑ نے روٹی اور پانی کی ایک مشک حضرت ہاجرہ کے کندھے پر رکھ دی

(۲) اردو ترجمہ میں تو یہ ہے کہ:

اور لڑکے کو بھی اس کے حوالہ کر کے اسے رخصت کر دیا

لیکن انگریزی ترجمہ اس سے ذرا مختلف ہے وہ اس طرح ہے:

"روٹی، اور پانی کی بوتل (BOTTLE)، اور ہاجرہ کو دی، اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے، نیز بچہ کو، اور اسے رخصت کر دیا۔

اس ترجمہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں وضاحت نہیں کہ کس طرح "حوالہ" کیا یعنی دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں، "انھیں بھی کندھے پر سوار کر دیا" یا ان کو بھی حوالہ کر دیا۔ دراصل تراجم میں یہ احتیاط اس لئے برتی جا رہی ہے کیوں کہ اصل الفاظ کا مفہوم کچھ اور ہے۔ اس جملہ کا صحیح ترجمہ اسکنر (SKINNER) کے نزدیک یہ ہے:

اور بچہ کو اس کے کندھے پر رکھ دیا یعنی بچہ کو بھی اس کی گود میں دے دیا آپ

سمجھ گئے، سترہ سال کے نوجوان "بچہ" کو ماں کی گود میں دے دیا۔

(۳) "اس نے لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔"

جو پردہ اوپر کے ترجمہ میں "حوالہ" سے ڈالا تھا وہ یہاں اٹھتا نظر آرہا ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ پورے سفر کے دوران ماں سترہ سال کے نوجوان بچہ کو میلوں گود میں لادی پھری[1] اور جب پانی ختم ہوگیا تو اسے گود سے اتار کر ایک جھاڑی کے نیچے لٹا دیا (جسے اردو ترجمہ میں "ڈال دیا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔)

(۴) اردو ترجمہ

اور چلا چلا کر رونے لگی۔ اور خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی۔

اس کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے:

اور بچہ چلا چلا کر رونے لگا۔[3]

اردو ترجمہ میں تھوڑی "احتیاط" اس لئے کی گئی ہے کہ کہیں کوئی یہ نہ سمجھنے لگے کہ سترہ سالہ نوجوان "بچہ" ایک جھاڑی کے نیچے پڑا رو رہا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ چلا چلا کر تو ماں رو رہی ہے اور خدا آواز لڑکے کی سن رہا ہے!!

(۵) "اٹھ" اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال۔"

---

[1] - AND THE BOY HE PLACED ON HER SHOULDER
THE INTERNATIONAL CRITICAL COMMENTARY
P.323

[2] یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے مذکورہ بالا تفسیر میں ہی جملہ ہے: دیکھ لیجئے
SHE [redacted] THE BOY (WHOM, THEREFORE, SHE MUST HAVE BEEN CARRYING)

[3] AND THE BOY LIFTED UP HIS VOICE AND WEPT. - SKINNER - P.323

بظاہر سترہ سال کے نوجوان بچہ کو "اٹھا" اور ہاتھ سے سنبھال۔

یہ "سنبھال سنبھال" کر جمہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ کہیں کوئی اس پر "ٹھٹھے" نہ لگانے لگے کہ ایک معمر عورت سترہ سال کے بچہ کو گود میں لادے لادے پھر رہی ہے، کبھی جھاڑی کے نیچے لٹا دیتی ہے اور کبھی گود میں اٹھا لیتی ہے۔[1]

یہ ہے وہ واقعہ جس کو بقول میور عربوں نے یہودیوں سے لے کر مکہ پر چسپاں کر دیا۔ چسپاں ہوا یا نہیں یہ اب آپ دیکھ لیں۔

حضرت اسمٰعیل اہل تورات کی نظر میں

قطع نظر ان واقعات کے عام طور پر تورات کی حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں کیا رائے ہے اور تمام تفصیلات دیکھ لینے کے بعد ان کے بارے میں کیا تاثر قائم ہوتا ہے، اس پر توجہ دیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارے میں یہ چند خاص خاص باتیں کہی گئی ہیں!

(۱) ولادت سے پہلے فرشتہ نے حضرت ہاجرہ سے کہا تھا

میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا یہاں تک کہ کثرت کے سبب اس کا شمار نہ ہو سکے گا۔ (باب ۱۶-۱۰)

(۲) خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

اور اسمٰعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور

---

[1] یہ ہے تورات کا بیان جو مستند دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ بائبل کے مختلف صحائف شروع میں کس زبان میں تھے، کن زبانوں میں کب تراجم ہوئے، قدیم اور جدید نظریات کی روشنی میں تورات اور دوسری کتابوں کے بیانات کہاں تک قابل استناد ہیں۔ ان میں ردوبدل یا تحریفات کا کہاں تک دخل رہا ہے۔ اہل کتاب نے اس سلسلہ میں جو تحقیقات کی ہیں، ممکن ہوا تو آئندہ اس کا خاکہ پیش کیا جائے گا انشاء اللہ۔

اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔ (۲۰/۱۷)

(۳) دوسرے موقع پر ابراہیم علیہ السلام کو تسلی دی گئی:

اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے۔ (۱۳/۲۱)

(۴) جب وہ فاران میں رہنے لگے تو

خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا (۲۰/۲۱)

وراثت سے محرومی

توراۃ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو

(۱) حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا بتایا ہے[۱]

اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ یہ خیال نہ ہو کہ "لونڈی" کی اولاد کا شمار بیٹوں میں نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت اسمٰعیل بلاشبہ پہلوٹھے تھے۔ اس فضیلت کی بنا پر بھی یہ بات ظاہر تھی کہ وہی (روحانی طور پر) حضرت ابراہیمؑ کے وارث ہوں گے۔ اور اسی کی بنا پر حضرت سارہ نے (بقول توراۃ) ان کو راستہ سے ہٹایا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انھیں گھر سے نہ نکالا جاتا۔

(۳) حضرت سارہؓ کی اس فرمائش کی خدا نے بھی تائید کی، ابراہیمؑ کو خدا نے تسلی دیدی اور انھوں نے بھی حضرت سارہ کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اس طرح یہ گھر جائداد سے بھی محروم ہو گئے اور ان روحانی برکتوں سے بھی جو حضرت ابراہیمؑ سے انھیں منتقل ہوتیں۔

(۴) اس محرومی کا سبب صرف یہ ہے کہ حضرت ہاجرہؓ نے حضرت سارہؓ کو "حقیر" سمجھا تھا اور ایک موقعہ پر حضرت اسمٰعیلؑ "ٹھٹھے" لگاتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ گویا ان ناقابل معافی اور تلافی خطاؤں" کے سبب حضرت سارہؓ برہم ہوئیں، خدا نے ان سے اتفاق فرمایا

---

[۱] پیدائش ۱۶/۱۵، ۲۱/۱۱، ۲۵/۹۔

ابراہیمؑ نے دروازہ سے باہر کرکے انھیں ویرانہ میں بھٹکنے کیلئے چھوڑ دیا ان کے لئے دروازہ بند ہوگیا اور حضرت اسحٰق کے لئے (برکتوں کا) دروازہ کھل گیا۔ اسی سلسلہ کی کچھ اور وضاحت سنئے۔ فرشتہ حضرت ہاجرہؓ سے پیدا ہونے والے اسمٰعیل کے بارے میں بتا رہا ہے:

وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اس کے خلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔ (پ۱۶ ۱۲)

اس جملے کا ترجمہ اور بھی کئی طرح کیا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) وہ ایک جنگلی آدمی ہوگا[1]

(۲) ایک آدمی کا جنگلی گدھا

(۳) نوع انسانی کا جنگلی گدھا[2]

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مفسر نے لکھا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسمٰعیل کی حیثیت لوگوں میں ایسی ہی ہوگی جیسے جانوروں میں جنگلی گدھے کی یہ ایک سرکش بدوی کے خصائل کی عمدہ عکاسی ہے جن کا ظہور اسمٰعیلؑ کی نسل میں ہونے والا تھا۔ اگلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اسمٰعیل اپنے شہری بھائیوں کے لئے ایک تکلیف دہ پڑوسی رہے گا[2]

---

[1] انگریزی ترجمہ AND HE WILL BE A WILD MAN.

[2] INTERNATIONAL CRITICAL COMMENTARY (P. 287) —"A WILD ASS OF A MAN" OR PERHAPS "THE WILD ASS OF HUMANITY"

[3] ایضاً ص۲۸۷-۲۸۸۔ اس فقرہ کی اگر زیادہ "تیز" شرح دیکھنی ہو اور آپ ضبط سے کام لے سکیں تو بیٹ (Bate) کی AN EXAMINATION OF THE CLAIMS OF ISHMAIL p. 141—74 ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اسمٰعیلؑ — ایک ٹوٹا ہوا تارہ

اس کے بعد توراۃ میں حضرت اسمٰعیل کا کوئی ذکر نہیں اِلّا یہ کہ ضمناً کہیں کوئی حوالہ آگیا ہو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا ان کے حق میں جو "بشارتیں" دی گئیں تھیں وہ کس طرح پوری ہوئیں ایک مشک یا ایک بوتل پانی (جس میں ان کی والدہ بھی شریک تھیں) اور چند روٹیاں (جو صرف ان کی والدہ نے کھائیں اور اگر یہ جوان تھے تو انھوں نے بھی کھائیں) اور نسل میں بارہ سردار وہ اس طرح کہ ان کے بارہ بیٹے ہوئے۔

اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلے کے سردار ہوئے۔ (۱۶:۲۵)

ان کا حساب گویا صاف ہوگیا۔ اس طرح "تورات" سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ اسمٰعیل ایک ٹوٹا ہوا تارہ تھے جو آسمان نبوت سے ٹوٹا اور فضاؤں میں گم ہوگیا کیونکہ توراۃ اور بنی اسرائیل کی توجہ بنی اسمٰعیل سے ہٹ گئی۔ اور خدا کی ——— ساری نعمتیں بنی اسرائیل کے خانوادہ پر برستی رہیں۔

ظہورِ اسلام سے نظریات میں تلاطم

ساتویں صدی آئی۔ بنی اسمٰعیل سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ دنیا نے مخالفت کی، پھر سپر ڈال دی، اسلام پھیلا، سارے ملک عرب میں، قیصر و کسریٰ ٹکرائے، پاش پاش ہوگئے، یہ سیل رواں تھا جو کسی سے نہ رک سکا۔ بنی اسمٰعیل ایک زبردست قوم بن کر اٹھے اور اس وقت کی مہذب دنیا پر چھا گئے، تاریخ کی سب سے بڑی مملکت کے فرماں روا بن گئے۔ انسانوں کو انسانوں اور کائنات کی غلامی سے نجات دلائی اور دنیا نے ان کے کارناموں کا اعتراف کرلیا۔ بنی اسمٰعیل تعداد میں تاروں سے بڑھے یا نہیں لیکن آسمانِ دنیا کو انھوں نے ضرور منور کردیا، مزین کردیا، اور آج بھی کر رہے ہیں۔

ٹوٹا ہوا تارا امہ کامل ——— کیوں بن گیا؟

دنیا کی دوسری اقوام پر جو ردعمل ہوا سو ہوا لیکن بنی اسرائیل

پر کیا گزری؟

بنی اسمٰعیل نے ابتدائی دور میں بھی اور انتہائی عروج کے دور میں بھی اپنے بھائیوں — بنی اسرائیل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن انھوں نے جھٹک دیا، اور اہل کتاب ہونے کے باوجود سب سے پہلے آپؐ کی نبوت کا انکار کیا حالانکہ جانتے تھے کہ یہ "وہ نبی" ہیں جن کی آمد کی خبر موسیٰ علیہ السلام دے چکے تھے اور بنی اسمٰعیل سے اٹھنے والے نبی کی اطاعت کا ان سے عہد لیا جا چکا تھا۔ یہ عہد اس وقت بھی یقیناً ان کے سامنے تھا جو آج بھی تورات میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے پوری قوم بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے تاکید کے ساتھ فرمایا تھا:

> خداوند اتیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا۔ (استثناء، ۱۸:۱۵)[1]

بنی اسرائیل کو تجربہ تھا کہ مصر میں حضرت موسیٰؑ نے جب اعلان نبوت کیا تھا تو ان پر کیا گزری تھی۔ بنی اسرائیل کو کیسے کیسے مصائب و مظالم کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ جانتے تھے کہ وہ ابتدائی دور بہت سخت تھا۔ انھیں اس کا بھی تجربہ تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کی تو ان کا تعاقب ہوا تھا اور پھر یہ دشمن ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے بعد پھر کوئی طاقت بنی اسرائیل کو نہ دبا سکی اور کامیابیوں کی راہیں کھل گئی تھیں۔ ہجرت کے بعد کا دور بہت آسانیوں کا دور تھا۔ بنی اسرائیل یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بھائی بنی اسمٰعیل مکہ میں آباد ہیں۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں سے "وہ نبی" اٹھے گا۔ اس کی مخالفت ہوگی، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہجرت کرے گا اور پھر اس کے مخالفین کا زور بھی فرعون کی طرح ٹوٹے گا۔ تجربہ کار

---

[1] اس موقع پر خاکسار کا مضمون "وہ نبی۔ جس کا انتظار تھا" پہلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

بنی اسرائیل اس بار یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے کہ مکہ میں آباد ہو کر مصر کے سے حالات سے دوچار ہوں، یہی وجہ ہے کہ یہ مدینہ (یثرب) میں آباد ہوئے تاکہ دیکھ لیں کہ "وہ نبی" اسی طرح آتا ہے، اسی طرح کامیاب ہوتا ہے جس طرح موسٰی علیہ السلام ہوئے تھے۔ اور جب خطرے کے بادل چھنٹ جائیں تو ہم بھی ساتھ ہو لیں۔ اور جب وہ وقت آگیا تو صاف انکار کر دیا بلکہ قتل کی سازشیں کرنے لگے۔ اس کی وجہ ان کا حسد تھا۔ کہ

یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل کیوں بن گیا؟

ہمارے ذہن میں بھی کبھی کبھی یہ بات کھٹکا کرتی تھی کہ آخر اچھی طرح جان بوجھ کر اور خوب پہچان کر بھی بنی اسرائیل مخالفت پر کیوں آمادہ ہوئے؟ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ تورات میں حضرت اسمٰعیلؑ کو حسد کی بنا پر کس طرح محروم وراثت کیا گیا، پھر جب ہم نے دیکھا کہ حضرت اسحٰقؑ کے دو بیٹوں عیسو اور یعقوبؑ کے درمیان یہ معاملہ آیا کہ عیسو پہلوٹھے ہونے کی وجہ سے حضرت اسحٰقؑ کی نعمتوں کے وارث ہوئے جاتے ہیں تو اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ان سے منسوب ترکیب بھی تورات میں دیکھی تو سمجھ میں آیا:

(ہوا یہ کہ ایک دن عیسو بھوکے گھر لوٹے)

اور یعقوب نے دال پکائی اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ بے دم ہو رہا تھا۔ اور عیسو نے یعقوب سے کہا یہ جو لال لال ہے مجھے کھلا دے کیونکہ میں بے دم ہو رہا ہوں۔ ... تب یعقوب نے کہا تو آج اپنا پہلوٹھے کا حق میرے ہاتھ بیچ دے۔ عیسو نے کہا دیکھ میں تو مرا جاتا ہوں پہلوٹھے کا حق میرے کس کام آئے گا؟ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ سے قسم کھا۔ اس نے اس سے قسم کھائی اور اس نے اپنا پہلوٹھے کا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا۔ تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی وہ کھا پی کر اٹھا اور چلا گیا۔ یوں عیسو نے اپنے پہلوٹھے کے حق کو ناچیز جانا۔

(پیدائش، باب ۲۹: ۲۹ تا ۳۴)

اس کے بعد حضرت اسحاقؑ کا آخری وقت آنے لگا، وہ نابینا ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا کہ میرے لئے شکار کر اور عمدہ کھانا لا تو میں دعا دوں اور تجھ کو برکت دے دوں۔ بڑے بیٹے یعنی عیسو ہی کی ماں ربقہ نے سن لیا جو بڑے سے زیادہ چھوٹے بیٹے یعقوب کو چاہتی تھیں۔ انھوں نے جلدی سے یعقوب سے کہا کہ تو بکری کے دو بچے لا میں کھانا پکاتی ہوں، تو باپ کے سامنے لے جا اور خود کو عیسو بتانا اور اس طرح ساری برکتیں تجھے مل جائیں گی۔ مختصر یہ کہ یعقوب نے اپنا روپ عیسو کا بنا کر کھانا کھلایا اسحاقؑ نے دعا دی اور ساری برکتیں یعقوب کو مل گئیں۔ اتنے میں عیسو آئے۔ انھیں جب یہ قصہ معلوم ہوا تو اپنا سر پیٹ لیا۔ اور کہا اے باپ مجھے بھی برکت دے۔ باپ نے کہا۔

تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لے گیا۔ تب اس نے (عیسو نے) کہا کیا اس کا نام یعقوب ٹھیک نہیں رکھا گیا۔ کیوں کہ اس نے دو بارہ مجھے اڑنگا مارا۔ اس نے میرا پہلوٹھے کا حق تو لے ہی لیا تھا اور دیکھ اب وہ میری برکت بھی لے گیا۔ (پیدائش ۲۷: ۳۵، ۳۶)

دروغ برگردن راوی، یوں خدا کی نعمتیں حضرت اسحاقؑ سے گویا یعقوبؑ کو منتقل ہو گئیں یعنی بنی اسرائیل کو۔

ہم نے چند ورق اور الٹے تو دیکھا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں یہی جذبہ موجود ہے۔ وہ چھوٹے بیٹے یوسفؑ کو چاہتے ہیں اور دوسرے بیٹے اس کو گوارہ نہیں کرتے چنانچہ سب مل کر یہ طے کرتے ہیں

"آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی گڑھے میں ڈال دیں اور یہ کہہ دیں گے کہ کوئی درندہ اسے کھا گیا"۔ (۳۷: ۲۰) لیکن زندہ گڑھے میں ڈال دیا۔

پھر فیصلہ بدل کر یہ طے کیا کہ اسے بیچ ڈالیں۔

یہ سب باتیں پڑھ کر ہماری سمجھ میں آیا کہ جب انھیں اپنے بھائیوں ہی کا عروج گوارہ نہیں جو سب بنی اسرائیل ہیں وہ ذرا اوپر کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل کا عروج کس طرح گوارہ کریں گے ، جو یوسفؑ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائیں وہ بنی اسمٰعیل کے نبی کو زہر کیوں نہ دیں ، اس پر پتھر گرا کر ہلاک کرنے کی سازش کیوں نہ کریں[1]

فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے تو چند روٹیوں اور پانی سے کام چل گیا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اس طرح خدا کے فیصلے بدلے جا سکتے ہیں لیکن بنی اسمٰعیل کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر ان کی ساری ترکیبیں الٹ گئیں اور ان کی لاکھ مخالفانہ کوششوں کے باوجود "لوٹا ہوا نارامہ کامل بن ہی گیا"

بنی اسمٰعیل کا عروج دیکھ کر کڑھتے رہے اور پیچ و تاب کھاتے رہے کہ کیا کریں ، بس کچھ چلا نہیں ، بالآخر وہی کیا جو ایک شکست خوردہ اس ذہنیت کا آدمی کرتا ہے یعنی دقعت گھٹانا ۔

"لونڈی"، "لونڈی بچہ" "ٹھٹھے" کا الزام ، اور "گورخر" کہہ کر کلیجہ ٹھنڈا کیا ۔ یہ بھی کہا کہ "بنی اسمٰعیل" حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد نہیں اور یہ "وہ نبی" نہیں ۔

آخر میں ایک نکتہ کی طرف اور اشارہ کر دیں ۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کوئی قوم بھی آسانی سے گوارہ نہیں کرتی کہ وہ غیر قوم کی ممنون ہو اور غیر قوم کے ہیرو کو خراج عقیدت پیش کرے ، اسے اپنا قومی ہیرو اور رہنما تسلیم کرے ۔ ہر قوم کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہر قابل فخر بات اور کارنامہ کا سرا اپنے اسلاف سے جوڑ دے ۔ لیکن تاریخ اسلام کا یہ بھی عجیب واقعہ ہے کہ عرب حضرت ابراہیمؑ کو اپنا مثالی رہنما بتاتے ہیں جو یقیناً غیر ملکی تھے ، بلکہ عرب میں بسے بھی نہیں ۔ دنیائے اسلام کے انتہائی

---

[1] یہ دونوں حربے استعمال کئے گئے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا اور پتھر پھینکنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا تھا ۔ تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھئے ، مشہور قصے ہیں ۔

عظیم المرتبت روحانی مرکز کی تعمیر ان سے منسوب کرتے ہیں دین اسلام کا سہرا انہی کے سر باندھتے ہیں۔ ان کو قابل اتباع نمونہ مانتے ہیں، اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کر سکتے تھے (اگر اسلام عربوں کی قومی مذہبی تحریک تھی جیسا کہ مستشرقین بتلاتے ہیں) کہ ان تمام کارناموں کا سہرا کسی عرب کے سر باندھ دیتے اور اپنی تاریخ کو "بیرونی" اثر سے آزاد کر لیتے۔ لیکن ان کا تو اصرار ہے کہ اے بنی اسرائیل، ہم تمہارے مورث اعلیٰ کے ممنون ہیں، ہم انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، عبادات اور مناسک حج میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

لیکن بنی اسرائیل کو یہ گوارہ نہیں کہ ان کے مورث اعلیٰ کے سر یہ سہرا بندھے بلکہ یہ اصرار ہے کہ ان کا ان کارناموں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کا سارا کریڈٹ (Credit) تمہارے ہی اسلاف (عربوں) کو جاتا ہے۔

وہ لوگ جو ہر قابل فخر چیز، ہر نعمت اور برکت کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے میں پیش پیش رہے ہوں، اس معاملہ میں اتنے "فیاض" کیوں ہیں؟

وجہ ظاہر ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام مکہ آئے تھے، خانۂ کعبہ تعمیر کیا تھا، ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو بسایا تھا کہ ایک دن یہیں سے آفتاب رسالت طلوع ہوگا، اگر یہ تسلیم کریں کہ مذہب اسلام کا حضرت ابراہیمؑ سے گہرا تعلق ہے تو دنیا یہ نہ کہے گی کہ پھر تم اپنے مورث اعلیٰ کے مذہب سے کیوں روگردانی کرتے ہو جب کہ خود کو ان کی نسل سے فخریہ طور پر کہتے ہو اور ان کی پیروی کے بھی مدعی ہو اور ایسا حسد کی بنا پر کر نہیں سکتے اس لئے اسلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اس قدیم اور تاریخی رشتہ کو کاٹنے کی کوشش میور، میور سے پہلے کے مستشرقین اور بعد کے مستشرقین کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ یہ ہے پس منظر نگاروں کا پس منظر۔